قرآن کی لازوال اصلیت

اس میں اب کوئی شبہ نہیں کہ

"قرآن کے سوا باقی تمام الہامی کتابیں اپنی اصلیت کھو بیٹھی ہیں"

مرتبہ

پروفیسر علامہ منظور احسن عباسی

شائع کردہ

اسلامی مشن سنت نگر لاہور

طباعت سیدسنز پرنٹر و پبلشر
اردو بازار لاہور

کتابت :- عبدالمجید امجد صداقت پارک لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کی لازوال اصلیّت

اس میں اب کوئی شبہ نہیں کہ
"قرآن کے سوا باقی تمام الہامی کتابیں اپنی اصلیت کھو چکی ہیں"

ایک پادری صاحب کو اس سے انکار ہے۔ اُنہوں نے ایک خط میں ۱۶ سوالات بطور اعتراضات لکھ کر بھیجے۔ ان کے اعتراضات کا جواب ایک رسالہ کی صُورت میں اسلامی مشن کی طرف سے بھیجا گیا۔ اب انہوں نے اس جواب کا جواب پھر ایک طویل خط میں دیا ہے۔ جو دلچسپی سے خالی نہیں۔ سنیئے اور سر دُھنیئے۔

پہلا سوال یہ تھا۔ کہ کیا آپ وہ کھجور کے پتے۔ چمڑے اور ہڈیاں "اپنی اصلی حالت میں" دکھا سکتے ہیں۔ جن پر قرآن لکھا ہُوا ہو؟

جواب یہ تھا کہ "بلا شبہ ہم دکھا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ" اپنی اصلی حالت میں" دیکھ سکیں۔ مشکل یہ ہے کہ آپ ہر لحظہ متغیر ہیں"

اس لطیف جواب کا شاید وہ مطلب نہیں سمجھے۔ ظاہر ہے کہ غیر فانی قرآن کی اصلیت کو ان فانی اشیاء (ہڈی چمڑے) سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ رسالہ میں بوضاحت بتا دیا گیا ہے کہ

"اگر بالفرض قرآن حکیم کے تمام نسخے دنیا سے معدوم ہو جائیں تب بھی اس کی اصلیت کے معدوم ہونے کا امکان نہیں ہے۔"

کیونکہ قرآن میں کبھی رد و بدل نہیں کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جو قرآن پڑھتے تھے۔ بعینہٖ وہی قرآن تقریباً ڈیڑھ ہزار سال کے بعد اب بھی پڑھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ بھی کوشش رہتی ہے کہ لب و لہجہ بھی وہی اختیار کیا جائے۔ جس طرح عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن پڑھا جاتا تھا۔ یہ ایک مستقل علم ہے۔ جسے علمِ تجوید و قرأت کہتے ہیں۔

پادری کی تحقیق داد کے قابل ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ "کہ کل پانچ قرآن تھے"۔

۱۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا قرآن

۲۔ علیؓ کا قرآن

۳۔ حفصہؓ کا قرآن

۴۔ عثمانؓ کا قرآن

۵۔ عائشہؓ کا قرآن

لیکن یہ نہیں فرمایا۔ کہ ان پانچوں قرآنوں میں چاروں (بلکہ سیکڑوں) انجیلوں کی طرح کیا کیا اختلاف تھے۔ ترتیب ضرور مختلف رہی ہوگی۔ کیونکہ قرآن مسلسل نہیں نازل ہوا۔ جس نے جو حصہ سُنا یاد کر لیا۔ اور اکثر لکھ لیا گیا۔ اور جب اس کو ارشادِ ختمِ نبوت کے مطابق مرتب کر دیا گیا۔ تو پھر ترتیب بھی وہی رہی جو آج تک ہے اور ابد

تک رہے گی۔ اصلیت کی بقا اسی کا نام ہے۔ سنا گیا ہے۔ کہ خبیث الفطرت یہودیوں نے قرآن میں بھی سابقہ صحفِ آسمانی کی طرح ردّ و بدل کی ناکام کوشش کی ہے۔ وہ ایک مصنوعی قرآن چھاپ تو سکتے ہیں۔ لیکن حفاظِ قرآن کے سینوں سے اصل قرآن کو مٹا نہیں سکتے۔

پادری صاحب نے ایک بڑا دلچسپ سوال یہ کیا ہے۔ کہ

"یمامہ کی لڑائی میں ۷۰۰ کے قریب جو صحابہ شہید ہوئے تھے ان میں زیادہ تر حافظ تھے۔ کیا اُن کے سینوں میں قرآن نہ تھا۔ بتاؤ کتنا ضائع ہوا؟"

اب ان سے کون کہے کہ اتنی تعداد میں صحابہ کے شہید ہونے کے باوجود قرآن کچھ بھی ضائع نہیں ہوا۔ اُن کو چھوڑیئے۔ لاکھوں کروڑوں حفّاظ وفات پا گئے۔ خود صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ لیکن اصل قرآن کا ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا۔ کیا آپ اس صورت حال کا مقابلہ ان تمام کتبِ مقدسہ کے حالات سے کرنے کی جرأت کریں گے۔ جن پر بدکردار یہودیوں کی دست برد نے قیامت ڈھائی۔ اور الہاماتِ الٰہی کے ڈھانچے کو بہت کچھ بدل ڈالا۔ یعنی اصلیت باقی نہ رکھی۔

۲۔ دوسرے سوال کے باب میں آپ نے قطعاً غیر منطقی بات کہی۔ بلکہ دروغ بیانی سے کام لیا۔ کہ

"زید بن ثابت سے مروی ہے کہ یمامہ کی لڑائی میں بہت سا قرآن ضائع ہو گیا۔"

اس کے لئے آپ نے مولوی وحید الدین مترجم بخاری کا حوالہ دیا ہے

لیکن میں پورے وثوق اور شرح صدر کے ساتھ کہتا ہوں۔ کہ کوئی مولوی تو کیا۔ ایک "" نئے طالب علم" بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ "جنگ یمامہ میں بہت سا قرآن ضائع ہوگیا"

بلاشبہ بہت سے حفاظ شہید ہوئے۔ لیکن قرآن کا ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا۔ اگر ضائع ہوا ہوتا تو قرآن کے جمع کرنے کی تجویز لغو ہوتی۔ کیونکہ ضائع شدہ کی فراہمی محال ہے۔

پادری صاحب کو حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے مابین مشورہ جمع قرآن پر گفتگو سے غلط فہمی ہوگئی۔ بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تجویز پیش کی کہ قرآن (جہاں کہیں جسقدر اور جس کے پاس بھی ہے) اُسے جمع کردیا جائے۔ ابوبکرؓ نے کہا۔ کہ یہ کام ایسا ہے جو آنحضرتؐ کے زمانے میں نہیں ہوا۔ تو اب کیسے ہو؟

لیکن ظاہر ہے کہ مختلف مقامات سے جمع کرنے اور آنحضرتؐ کے مرتب فرمانے میں بہت فرق ہے۔ بلاشبہ قرآن آنحضرتؐ کے زمانے میں مرتب ہوگیا۔ لیکن لوگوں کے پاس سے جمع نہیں کیا گیا۔ چونکہ حضورؐ نے اس سے منع بھی نہیں فرمایا تھا۔ اس لئے حضرات عمرؓ و ابوبکرؓ سے مشورہ کے بعد جمع قرآن کا فیصلہ کیا گیا۔ کیونکہ اس کا مقصد بھی یہ تھا۔ کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے مطابق کتابی شکل دے دی جائے۔

چونکہ بیچارے پادری صاحب کو مسائل دینیہ کی تدوین سے بیخبری تھی۔ اس لئے وہ یہ سمجھے کہ قرآن کو بھی اناجیل کی طرح پیغمبر کے بعد کچھ لوگوں نے تالیف کیا ہے۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ

کیا اس کی ترتیب ٹھیک ہے؟

جواب یہ تھا۔ کہ جی ہاں ٹھیک ہے۔

اس پر اُن کا اعتراض یہ ہے کہ اقراء کی سورۃ سب سے پہلے نازل ہوئی وہ تیسویں پارے میں کیوں ہے۔ لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہُوا کہ یہ وحی الٰہی نہیں ہے۔ قرآن تو ان وحیوں کا مجموعہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر مختلف اوقات میں حالات کے مطابق نازل ہوئیں ان سب کو صاحب وحی نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے ترتیب دیا۔ اور وہی ترتیب اب تک موجود ہے۔ اور درست ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے ایک دانشور اپنی تخلیقاتِ ذہنی کو مرتب کرکے کتابی شکل دے اور ایک کلیات یا دیوان مرتب ہو جائے۔ ان دونوں میں فرق صرف یہ ہے ایک تو انسان کی ذہنی پیداوار کا مجموعہ ہے اور دوسری وحی الٰہی کا۔ اب مثلاً کوئی شاعر اگر مقطع پہلے موزوں کرے اور مطلع بعد میں۔ لیکن ترتیب میں مطلع پہلے اور مقطع بعد میں رکھے تو یہ کس قدر عجیب بات ہوگی۔ کہ کہا جائے کہ یہ اس ادیب کا کلام نہیں ہے۔ اعتراض کی بات تو جب ہوتی کہ اناجیل کی طرح قرآن کے مختلف اڈیشن ہوتے اور ہر اڈیشن کے مضامین اور ان کی ترتیب مختلف ہوتی۔ ایسا نہ ہوتا کہ ہر شخص جس طرح چاہتا اسے ترتیب دے دیتا اور مسیحی دانش مندوں کی طرح سب کو کلام الٰہی تصور کیا جاتا۔

چوتھا سوال یہ تھا کہ

"کیا آخری کتاب حضرت محمدؐ صاحب کی ہے یا صحیفہ عثمانی ہے؟"

جواب یہ تھا۔ کہ نہ کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ نہ صحیفۂ عثمانی بلکہ حضور پر اللہ کی نازل فرمودہ وحی کا مجموعہ ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ دہلی کے چھپے ہوئے قرآن پر یہ لکھا ہے۔ کہ یہ صحیفۂ عثمانی ہے۔ جناب پادری صاحب یہ سمجھے کہ یہ کتاب حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نہیں ہے۔ بلکہ عثمان پر نازل ہونے والا صحیفۂ آسمانی ہے۔ ایسا قرآن تو میری نظر سے نہیں گزرا جس پر لکھا ہو کہ یہ حضرت عثمانؓ کا صحیفہ ہے۔ تاہم اگر پادری صاحب نیک نیتی سے دیکھتے تو اس کا مطلب بھی وہی سمجھتے کہ یہ قرآن مطبوعہ بھی اس قدیم قرآن کے مطابق ہے۔ جو حضرت عثمانؓ نے نقل فرمایا۔ یعنی یہ اناجیل کی طرح ایسا نہیں ہے۔ کہ جو جی میں آیا۔ اٹھا کر چھاپ دیا۔ جیسا کہ مسیحی رسالہ "کلامِ حق" (مارچ ۱۹۷۹ء) کی ایک مسیحی نامہ نگار خاتون نے کسی جدید شائع شدہ کتاب مقدس کے باب میں لکھا ہے۔

ہم اپنی بہنوں کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ

"کلامِ پاک میں اس ناجائز تبدیلی پر جو نئی انگریزی جلدیں چھاپی گئی ہیں۔ یقین نہ کریں اور اپنی آئندہ پود کو بھی اس گمراہی سے بچائیں۔ یہ گمراہ دینی علماء یسوع مسیح کو خدا کا اکلوتا بیٹا ہونے سے بھی انکار کرتے ہیں۔"

ایسا حادثہ قرآن پر نہ کبھی گذرا ہے نہ گزرے گا۔ کیا ان حقائق سے قرآن و انجیل کے مابین آسمان و انجیل کا فرق ظاہر نہیں ہوتا۔

پانچواں سوال یہ تھا۔ کہ کیا سورۃ الحمد الہامی ہے؟

جواب یہ تھا کہ جی ہاں الہامی ہے۔ الہامی نہ ہوتی تو قرآن کی الہامی

کتاب کا حصہ نہ ہوتی ۔ اس کا نام خود قرآن نے سبع المثانی فرمایا ہے۔

پادری صاحب کا اعتراض یہ ہے ۔ کہ "یہ پہلی وحی نہیں ہے"

جی ہاں یہ پہلی وحی نہیں ہے ۔ بعد میں نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مقدمہ کتاب "فاتحہ الکتاب" کے طور پر شروع میں درج فرمایا ۔ ممکن ہے ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے قرآن حکیم کا مقدمہ قرار دیا ہو ۔ لیکن بہر حال ہے وہ بھی وحی الہٰی جو قرآن حکیم کا اہم ترین حصہ ہے۔

اعتراض کی بات تو جب بنتی کہ عبداللہ بن مسعود اس کو وحی الہٰی قرار نہ دیتے ۔ بلکہ اناجیل کی طرح اس حصہ کو خارج از وحی قرار دیتے یا کم از کم قرآن کی طرح اسے پڑھنا ہر نماز میں فرض نہ جانتے ۔ یا نہ پڑھتے ۔

چھٹا سوال یہ تھا ۔ کہ کیا سورۂ توبہ پر بسم اللہ ہے ؟

جواب یہ تھا ۔ کہ نہیں ہے ۔ اور نہ پہلے کبھی تھا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا ۔ ازل سے یہ سورت اسی طرح ہے اور ابد تک رہے گی ۔ اعتراض تو جب ہوتا ۔ کہ اناجیل کی طرح کوئی عبارت کسی انجیل میں ہوتی اور کسی انجیل میں نہ ہوتی ۔ اور کوئی مسلمان ایسا احمق ہوتا ۔ کہ دونوں کو درست مانتا

پادری صاحب کا کہنا ہے کہ "مسلمان نے سورۂ توبہ پر بسم اللہ نہ ہونے سے اپنی بے بسی کا اظہار کر دیا"

یہ انہوں نے سچ فرمایا ۔ کیونکہ بڑے سے بڑے عالم دین کو یہ اختیار نہیں ہے ۔ کہ وہ اس پر بسم اللہ لکھ دے ۔ وہ اللہ کے سامنے

بے بس ہے۔ مسیحی علمائے دین کی طرح مختار نہیں ہے۔ کہ گمراہ مسیحی علماء اناجیل کی طرح جس عبارت کو چاہے قرآن سے حذف کردے اور یا بدباطن یہودیوں کی طرح جو کچھ چاہے اضافہ کردے

غرض سورۂ توبہ پر بسم اللہ کا نہ ہونا بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ اس میں کسی کے تصرفِ بیجا کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اس مقام پر بِسْمِ اللہ نہ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ سورۂ توبہ کی ابتداء کفار و مشرکین پر غیض و غضب سے ہورہی ہے۔ اور عین غیض و غضب کے وقت بِسْمِ اللہ یعنی خدا کی رحمت کا تذکرہ انتہائی غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اس مقام پر بِسْمِ اللہ الرحمٰنِ الرَّحِیم نازل نہیں کی گئی۔

مقدمہ تفہیم القرآن ابوالاعلیٰ مودودی۔

ساتواں سوال یہ تھا کہ کیا اس قرآن میں تقدم و تاخر ہے؟"

جواب یہ تھا کہ مطلق نہیں۔ آج تک کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ قرآن کے کسی لفظ کو آگے سے پیچھے یا پیچھے سے آگے کرسکے۔ ہاں اگر تقدم و تاخر کا یہ مطلب ہو کہ کسی پہلے وقوع پذیر ہونے والے واقعہ کو بعد میں اور بعد میں ہونے والے واقعہ کو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ تو اس تقدم و تاخر سے نہ کوئی کتاب خالی ہے اور نہ یہ کوئی عیب ہے۔ چنانچہ قرآن میں بعض انبیاء سابقہ کا ذکر بعد میں اور بعض کا پہلے آیا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی کہے۔ کہ میں نے انار اور سیب کھائے۔ تو گو اس نے پہلے سیب اور بعد میں انار کھایا ہو۔ بہر حال اس کے قول کو سچا ہی کہا جائے گا۔

پادری صاحب نے اس تقدم و تاخر کو ایسا ہی تصور کیا۔ جیسا کہ مختلف اناجیل میں سے ایک میں کسی بات کو پہلے اور دوسری میں بعد کو بیان کیا گیا ہے۔ باوجود اس کے دونوں کو درست تصور کیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کے نہ ایک سے زیادہ مختلف نسخے ہیں۔ اور نہ اس تقدم و تاخر سے اس کی اصلیت کو مشکوک بنایا گیا ہے۔

پادری صاحب نے تقدم و تاخر کی ایک مثال قرآن حکیم کی ایک آیت سے دی ہے۔ جس کا ترجمہ لکھا ہے۔

"اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا۔ پھر اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اس کی تطہیر کروں گا۔ اور تیرے ماننے والوں کو قیامت تک غلبہ دوں گا۔"

اب جس آیت کا یہ غلط ترجمہ انہوں نے کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

اذ قال اللہ یٰعیسیٰ انی متوفیک و رافعک الی و مطھرک من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ۔

پادری صاحب نے اس کے ترجمہ میں دو غلطیاں کی ہیں۔ ایک دانستہ اور دوسری شاید نادانستہ یعنی بے علمی کی وجہ سے اور وہ یہ ہے کہ مطھرک کا ترجمہ "اس کی تطہیر" کیا ہے۔ حالانکہ صحیح ترجمہ تیری تطہیر ہے۔ رہی دانستہ غلطی سو وہ یہ ہے کہ "رافعک الی" کا ترجمہ "پھر اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ غلط ہے۔ "اور" اپنی طرف اٹھاؤں گا چاہیئے۔ پھر کا مطلب تو یہ ہو سکتا ہے۔ کہ موت کے بعد اٹھاؤں گا۔ لیکن

پھر کی بجائے اگر اور ہو جیسا کہ قرآن میں ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تجھے مرنے نہ دوں گا۔ یعنی موت دینے والا میں ہوں یہودی نہیں مار سکتے اور میں تجھے اٹھا لوں گا وغیرہ۔ چنانچہ مفسرین نے اس لفظ متوفیک کے معنی لکھے ہیں۔ "اے عاصمک الان"

(یعنی اس وقت میں تجھے بچا لوں گا) اور پھر اپنے وقت پر وفات دوں گا۔ غرض یہاں تقدم و تاخر ضروری نہیں ہے

پادری صاحب بیچارے عربی زبان کی گرامر کے قواعد سے واقف نہ ہونے کے باعث یا قادیانیوں کی طرح من مانا ترجمہ کرنے کی عادت سے مجبور ہو گئے ورنہ اصول یہ ہے کہ "الواو للجمع لا للترتیب" یعنی "اور" کا مطلب چند باتوں کو جمع کرنا ہے۔ اس سے تقدیم و تاخیر مراد نہیں ہوتی۔ لیکن شاید ہی وہ اس نکتہ کو سمجھ سکیں۔

آٹھواں سوال یہ تھا کہ کیا آخری کتاب کے اعراب الہامی ہیں؟

جواب یہ تھا کہ ہاں اعراب بھی الہامی ہیں۔ کیونکہ کسی لفظ کا تصور بدوں اعراب احمقانہ خیال ہے۔ اگر لفظ "اَلْحَمْدُ" الہامی ہے تو الف اور حا پر زبر اور دال پر پیش بھی الہامی ہوئے۔

اس سے زیادہ احمقانہ خیال یہ ہے کہ حجاج بن یوسف نے جو اعراب لگوائے تھے وہ گویا قرآن سے باہر کسی شے کا اضافہ تھا اگر پادری صاحب اپنے نام اِلْیَاس طَارِق پر زیر زبر لگا دیں کہ کوئی جاہل اس کو اُلیاس طارُق نہ پڑھے تو کیا برائی ہو گی؟ حجاج کا بھی اعراب لگانے سے یہی مقصد تھا۔ قرآن حکیم اور فرامین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن نسخوں میں جو خط کوفی میں سب سے پہلے لکھے گئے۔ نقطے

بھی نہ تھے۔ نقاط و اعراب کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اناجیل کی طرح (جس کی زبان ہی معرضِ بحث میں ہے) اصل حروفِ قرآن کے پڑھنے میں غلطی نہ ہو۔

نواں سوال یہ تھا کہ "آخری کتاب میں قصّے کہانیاں کیوں ہیں؟"

اس کا جواب یہ تھا کہ قرآن میں کہانیاں نہیں صحیح واقعاتِ ماضی کے بیانات ہیں۔ تاکہ لوگوں کو عبرت و نصیحت حاصل ہو۔ اس پر پادری صاحب کو یہ اعتراض ہے کہ کیا قرآن میں اصحابِ کہف کے کتّے۔ اسرائیل کے سفر۔ حضرت موسیٰؑ کی ملاقات اور ذوالقرنین کے واقعات نہیں ہیں۔ جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی۔ لیکن تعجب کی بات تو یہ ہے۔ کہ اُن کی عقل یہ تو تسلیم کر لیتی ہے۔ کہ "ایک اللہ کے بندہ کو سُولی پہ مار کر دفن کر دیا جائے اور وہ تین دن تک قبر میں رہتا ہے۔ پھر قبر پھٹ جاتی ہے۔ اور وہ اس میں سے صحیح سالم نکل آتا ہے۔ اور آسمان پر چلا جاتا ہے۔ اور وہاں جا کر خدا کے دائیں ہاتھ پر بیٹھ جاتا ہے"۔

کیا یہ سب کہانی نہیں ہے؟ پادری صاحب پہلے انجیل شریف کا مطالعہ کر لیتے۔ پھر لبِ اعتراض کھولتے تو بہتر تھا۔ پادری صاحب! معجزہ تو کہتے ہی ایسی بات کو ہیں۔ جو بظاہر ماورائے عقل ہو۔

دسواں سوال یہ تھا کہ

"یہ کتاب عربوں کے لئے ہے یا تمام دنیا کے لئے"؟

اس کا جواب بالفاظ قرآن یہ دیا گیا تھا کہ "ھٰذا بلاغ للنّاس" (یعنی یہ کتاب تمام انسانوں کے لئے ہے)

ساتھ ہی یہ بھی پوچھا گیا کہ یہ خالق کا کلام ہے یا مخلوق کا؟

اس کا جواب یہ تھا کہ ان ھو الا وحی یوحیٰ (یعنی یہ خالص وحی ہے جو پیغمبر پر نازل فرمائی گئی)

اس پر بھی پادری صاحب کو یہ اعتراض ہے کہ یہ مخلوق کا کلام ہے، فرقہ معتزلہ اس کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار کرتا ہے۔ یہ سراسر جھوٹ ہے اسی طرح یہ بھی جھوٹ ہے۔ کہ خلیفہ مامون اس خیال کا حامی تھا۔ اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان یہ کہتا ہو کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے۔ تو وہ مرتد اور کافر ہے۔ اور لازم ہے کہ آپ بھی اس شخص کو ایسا ہی خیال فرمائیے۔ جیسے وہ مسیحی جو انجیل کو خدا کا کلام نہیں مانتے۔ حضرت مسیح کو اللہ کا اکلوتا بیٹا نہیں کہتے۔ انہیں صلیب پر چڑھائے جانے کے بھی قائل نہیں ہیں۔ اور کفارہ گناہ کے عقیدے سے بے زار ہیں۔ وغیرہ

گیارہواں سوال یہ تھا کہ کیا یہ کتاب (قرآن) انبیاء کو معصوم پیش کرتی ہے؟

اس کا جواب اثبات میں دیا گیا۔ لیکن اس پر پادری صاحب کو یہ اعتراض ہے کہ قرآن انبیاء کو معصوم پیش نہیں کرتا۔ اور ثبوت میں لکھا ہے کہ

"سورۂ فتح کو پڑھلیں کہ اے نبی اپنے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی مانگ۔"

لیکن پادری صاحب کی بدقسمتی دیکھئے کہ سورۂ فتح میں یہ کہیں نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ درج ہے کہ

"اے نبی ہم نے تجھے نمایاں فتح مندی دی تاکہ تیرے اگلے

پچھلے سب قصور معاف کر دے اور پورا پورا انعام عطا فرمائے ۔ اور سیدھی راہ دکھا دے "

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ٹیڑھی راہ سے حضور کو بچا لیا ۔ یہی معصوم ہونا ہے ۔ جس کے معنی ہیں بچایا گیا ۔

غرض قرآن حکیم میں کسی نبی پر بھی ایسے شرمناک الزام نہیں لگائے گئے ۔ جیسے بائبل مقدس میں لگائے گئے ہیں ۔ مجھے تو ان کا ذکر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے ۔

بارہواں سوال یہ تھا ۔ کہ

" کیا کتاب میں ناسخ منسوخ ہے "؟

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا

بعض لوگوں کے نزدیک قرآن کے بعض عارضی احکام ایسے ہیں ۔ جن کی بجائے مستقل احکام قرآن میں نازل ہوئے ۔ لیکن جو حکم منسوخ ہوا وہ بھی اللہ کا تھا اور جو حکم ناسخ ہے وہ بھی اللہ کا ہے ۔ اور دونوں کتاب اللہ میں موجود ہیں ۔

اعتراض تو جب ہوتا ۔ کہ اناجیل کی طرح قرآن بھی کثیر التعداد ہوتے اور ہر ایک میں متضاد اور مختلف احکام ہوتے اور ہم بدقسمتی سے دونوں کو صحیح مانتے ۔

تیرھواں سوال یہ تھا کہ

" آیا آیات حضرت عمرؓ کی مرضی کے مطابق بھی خدا نے لکھوائی تھیں "؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ

نے جو چاہا وہ خدا سے لکھوا لیا "
لیکن میرے اس انکار کے باوجود آپ نے جو الزام مجھ پر تھوپا کہ گویا میں نے مانا۔
" کہ آنحضرتؐ کی مرضی اور عمرؓ کی مرضی سے خدا وحی بھیجا کرتا تھا "
اب پادری صاحب اپنی اس صداقت و دیانت پر زبان سے جس قدر چاہیں۔ فخر کر سکتے ہیں۔ لیکن دل تو ضرور شرمندہ ہوگا۔ اس جگہ مجھے قرآن حکیم کی ایک آیت یاد آئی۔

انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ
یھدی من یشاء (النمل ۱۰۲)

یعنی اے پیغمبر تم اپنی مرضی سے کسی کو راہ راست پر نہیں لا سکتے۔ وہ تو اللہ ہے کہ جسے چاہے راہ راست پر لے آئے
یہ آیت پادری صاحب کے حسب حال بھی ہے اور اُن کے اعتراض کا جواب بھی کہ اللہ تعالیٰ کسی کی مرضی کے تابع نہیں ہے۔
باقی پادری صاحب نے ایک حدیث کا بھی ذکر کیا ہے۔ کہ "حضور نے حالت مرض میں قلم کاغذ طلب فرمایا کہ کچھ لکھوائیں لیکن حضرت عمرؓ نے اس حالت میں حضور کو زحمت دینا گوارا نہ کیا۔ اور کہا کہ ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ اس سے بھی یہی مانا جاتا ہے ۔ کہ اس وقت قرآن کی اصلیت اور کامل ہونے پر سب کو اتفاق تھا۔

چودھواں سوال یہ تھا کہ
" آیا کوئی آیات دوسری کے خلاف جاتی ہیں ؟ "

اس کا جواب بھی نفی میں دیا گیا ۔ لیکن پادری صاحب کو اعتراض ہے کہ

"قرآن میں بہت آیتیں ایک دوسرے کے خلاف جاتی ہیں"۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سورۂ کوثر میں ہے کہ

"رسول بے اولاد نہیں ہوگا ۔" اور سورہ احزاب میں ہے کہ "محمدؐ کسی بالغ مرد کا باپ نہیں ہے" یعنی عورت کا باپ ہے ۔

پادری صاحب کو قرآن کی بہت سی آیتوں میں سے صرف یہ ایک آیت نظر آئی ۔ لیکن سورہ کوثر میں تو کہیں بھی نہیں ہے کہ رسول بے اولاد ہوگا ۔ اس کے برعکس سورۂ احزاب کی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی اولاد میں بیٹی ہے ۔ اگرچہ مرد نہیں ہے ۔ سورۂ کوثر میں ہے ۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَر

کہ بلاشبہ تیرا دشمن ابتر ہے ۔ لفظ ابتر کے معنی دُم بریدہ اور نامراد کے بھی ہیں ۔ لیکن ہمارے پادری صاحب جنہوں نے لکھا ہے ۔ کہ

"میں نے قرآن پڑھا ہے ۔ جناب عالی الحمد سے شروع کر کے والناس تک ۔ اگر یقین نہ آئے تو پھر سنا بھی سکتا ہوں"

سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کے بعد کیا میں یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ جو قرآن آپ نے پڑھا ہے ۔ اس میں لفظ "ابتر" کی بجائے "اوتر" درج ہے ۔ کیونکہ آپ نے سورۂ کوثر کی آیت کا ترجمہ لکھا ہے ، کہ

"اے نبی تو اوتر نہیں تیرے دشمن اوتر ہیں"

پادری صاحب! قرآن دانی کا یہ دعوےٰ سخت عبرتناک ہے۔

پندرہواں سوال یہ تھا کہ

"کیا یہ آخری کتاب مکمل ضابطۂ حیات ہے؟

اگر ہے تو پاک اور پلیدی کے مسائل کیا ہیں؟"

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ "پاکی کے جس قدر مسائل قرآن شریف میں ہیں۔ تمام جہان کے مذاہب کی الہامی کتابوں میں نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآن کا مقصد ہی یہ ہے کہ تمہیں پاکیزہ بنادے۔"

اس پر پادری صاحب نے ۸ سوال جڑ دیئے کہ ان کا جواب قرآن سے دو۔

۱۔ ماں سے بدفعلی کی کیا سزا ہے؟

۲۔ خیانت کی سزا بتاؤ۔

۳۔ نقدی۔ مویشی غلہ وغیرہ کی مقدار زکواۃ کیا ہے؟ اور کب ادا کی جائے۔

۴۔ ایام حیض کے دنوں کی تعداد کتنی ہے؟

۵۔ ناپاک برتن کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

۶۔ جانور کو ذبح کس جگہ سے کیا جائے؟

۷۔ نفاس کے کتنے دن ہوتے ہیں؟

۸۔ کتنی مقدار پانی کو نجاست کے پڑنے پر نجس نہ سمجھا جائے

ہرچند کہ یہ بدحواسانہ اعتراضات مضحکہ خیز ہیں۔ تاہم اتنا بتادینا کافی ہے۔ کہ قرآنِ حکیم نے بدکاری۔ جنایت۔ حیض

دنفاس۔ زکواۃ۔ پاکیزگی۔ ذبح اور پانی کے استعمال کا ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ نکاح۔ طلاق۔ بچوں کی پرورش۔ وراثت۔ وصیت تعلیم وتربیت۔ حقوق وفرائض۔ صداقت و دیانت۔ تجارت، صنعت وحرفت۔ اکل وشرب۔ باہمی میل جول، لین دین۔ خرید و فروخت۔ حسن معاشرت۔ حکومت۔ عدالت، مقدمات، شہادت و تعزیرات غرض انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لئے اصولی ہدایات بھی قرآن میں موجود ہیں۔ اور ان کی جزئیات پر عمل پیرا ہونے کے لئے صاحب وحی کے طریق عمل کی رہنمائی فرمادی گئی ہے۔ ان سب کی تفصیل کے لئے ایک پوری عمر درکار ہے۔

البتہ کامل وثوق اور یقین سے یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ پادری صاحب تمام عمر بھی کسی ایسے شعبۂ حیاتِ انسانی کی نشاندہی نہ کر سکیں گے۔ جس کا ذکر اور عملی ہدایات قرآن میں موجود نہ ہوں۔ اس کے برعکس موجودہ تراجم اناجیل اربعہ۔ عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے کسی مسئلے کا حل پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ چنانچہ مثلاً بدکاری کی سزا جس کا ذکر اس سوال میں پہلے نمبر پر ہے۔ قرآن حکیم کی سورۂ نور میں بتادی گئی ہے۔ اور اس کے نفاذ کی جزئیات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی مگر پادری صاحب ایک کی بجائے چار انجیلوں میں تلاش کر کے نہیں بتا سکتے۔ کہ اپنی بیٹیوں۔ بہو یا کسی کسبی سے ملوث ہونے والے کو (جس کا ذکر تو کتب مقدسہ میں ہے) کیا سزا ملی؟

سولھواں اور آخری سوال یہ تھا۔ کہ اگر یہ قرآن، آخری کتاب

ہے تو اس نے کون سی نئی چیز پیش کی ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (توحید) کا تصور پیش کیا۔ جس سے لوگ نا آشنا تھے۔ اس پر پادری صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ یہ تصور قوموں میں اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حمرابی کورٹ کی لوحیں جو بابل سے ملی ہیں۔ ان میں بھی ایسے احکام ملے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر وہ الواح نہ ملتیں تو توحید کا سُراغ نہ ملتا۔ اگر پادری صاحب اتنا اور فرما دیتے۔ کہ ان الواح کے ملنے سے بہت پہلے اسلام نے اس کی نشان دہی فرما دی ہے۔ تو ہم ان کی صداقت پسندی کا لوہا مان لیتے۔ لیکن افسوس یہ ہے۔ کہ انہوں نے ساتھ کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا۔ کہ

"انجیل توحید سے بھری ہے"

تو اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ توحید سے بھری انجیل کے ہوتے وہ کون سے بدبخت انسان ہیں۔ جو تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور انجیل کی توحید سے منکر ہیں۔ اگر اہلِ تثلیث کا وجود ہے۔ تو بلاشبہ قرآن کے درسِ توحید کی ضرورت تھی۔ اور بحمداللہ وہ پوری ہو گئی۔

پادری صاحب نے اپنے مراسلہ کی آخری سطر میں اس نیازمند کو خطاب فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

"بڑی آپ نے چھلانگ لگائی کہ توحید نئی ہے۔ ایمان سے بتائیں۔ کہ علامہ ہو کر سفید جھوٹ بولنا

زیبا (بلفظہ) دیتا ہے"؟

۔یعنی میں نے جو عرض کیا کہ قرآن توحید کی تعلیم دیتا ہے
جس سے لوگ نا آشنا تھے ۔ یہ سفید جھوٹ ہے ۔۔۔

اس کے جواب میں سچے پادری صاحب کو میرا سلام
پہنچے ۔

انہوں نے لکھا ہے وہ جواب کے منتظر ہیں ۔ جواب
حاضر ہے ۔ لیکن میں جواب کا منتظر نہیں ہوں ۔
کیونکہ میرا یہ جواب لاجواب ہے ۔

نیاز مند

منظور احسن عباسی
یکم مئی ۱۹۷۹ء ۔

پہلے ان سوالات کے جوابات دیجئے
پھر اور سوال کیجئے

1) کیا اناجیل میں کسی مقام پر یہ دعویٰ آیا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے آئی ہے؟
2) کیا حضرت یسوع مسیحؑ پر ایک انجیل اتاری گئی یا ایک سے زائد؟
3) اگر صرف ایک انجیل نازل ہوئی ہو تو موجودہ انجیلیں۔ متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا اور انجیل برنباس وغیرہ کس طرح وجود میں آئیں؟
4) ان تمام انجیلوں پر ان کے مصنفین کے نام کیسے درج ہوئے اور کب درج ہوئے۔ اگر یہ الہامی ہیں تو ان کے مندرجہ واقعات اور تعلیمات میں تضاد اور فرق کیوں ہے؟
5) ان سب اناجیل میں حضرت مسیحؑ کی زندگی۔ شجرہ نسب ان کے وعظ و کلام کو ہی درج کیا گیا ہے۔ کیا خدا کا اپنا کلام بھی ان میں درج ہے۔ اگر ہے تو کون سا ہے۔ متی میں ۲۸ اور لوقا میں حضرت مسیحؑ کی ۴۳ نسلوں کا ذکر ہے۔ دونوں میں ان کے اباواجداد کے نام مختلف ہیں۔ ان میں سے کون سا صحیح سلسلہ نسب ہے۔
6) ہیرودیس کی کہانی صرف متی میں ہے۔ باقی انجیلوں میں نہیں۔ اس کا کیا سبب ہے۔ اور کہانی کے سچ ہونے کی کیا دلیل ہے؟
7) ۔ اصل انجیل حضرت مسیحؑ پر کس زبان میں اتری؟ حضرت مسیحؑ کی زبان آرمائی تھی۔ کیا اس زبان میں کوئی انجیل موجود ہے۔ یا محض تراجم ہی ہیں

P.T.S

8) لشپ بائبل کون سی تھی۔ اس کو شاہ جیمز والی انگلستان نے کیوں بدل دیا شاہ جیمز کا ترجمہ ۲۵۹ سال تک مستند مانا گیا۔ شاہ جیمز کے ترجمہ میں بیس ہزار 20000 غلطیاں پائی گئیں۔ پھر ۱۸۸۴ء میں نظر ثانی کرکے ایک اور بائبل منظر عام پر لائی گئی۔ ۱۹۵۱ء میں امریکہ والوں نے نئی بائبل کیوں بنائی۔ پھر ۱۹۵۲ء میں اسے کیوں ترمیم کر دیا گیا۔ مختلف ممالک کی ان بائبلوں میں مستند کون سی ہے؟ اور کیوں؟

9) رومن کیتھولک کی بائبل میں 72 کتابیں اور پراٹسٹنٹ کی بائبل میں 66 کتابیں ہیں۔ درست کون سی ہیں۔

10) عہد نامۂ عتیق میں 56 کتابیں تھیں اور اب 39 رہ گئیں باقی 17 کہاں گئیں

11) مندرجہ عبارت کا مطالعہ کریں

"چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں۔ ان کو ترتیب وار بیان کریں۔ جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے۔ ان کو ہم تک پہنچایا۔ اس لئے معزز تھیفلیس نے بھی مناسب جانا۔ کہ سب باتوں کا سلسلہ سے ٹھیک دریافت کرکے از سر نو ان کو ترتیب سے لکھوں۔

(لوقا باب ۱ - سطور ۱-۴)

(ا) ان آیات میں بہت سے مصنفین کا ذکر ہے۔ بتایئے وہ کون تھے۔ اگر یہ خدا کا کلام ہے۔ تو تھیفلیس کے نام پر معنون کرنے کے کیا معنی؟

(ب) انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کی رائے "بائبل الہامی نہیں

———x———